The Study of Religion and History

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

اسلامی اصولوں کے تحت بین الاقوامی تعلقات کا ارتقاء اور معاصر تقاضے

Muhammad Rashid
Ph.D Scholar, Institute of Islamic Studies & and Sharia, MY University, Islamabad, Email.
rasheedawanpari@gmail.com
Dr. Kulsoom Fatima
Assistant Professor, National University of Sciences and Technology (NUST), Islamabad .
Email: kulsoom.fatima@smme.nust.edu.pk

Abstract:
This study explores the evolution of international relations under the framework of Islamic principles and examines their relevance in addressing contemporary global challenges. It highlights that Islam presents a comprehensive and balanced system for managing relations among nations, grounded in justice, peace, mutual respect, and adherence to moral and legal commitments. By analyzing foundational sources such as the Qur'an and Sunnah, the research traces the historical development of diplomatic, political, and social interactions in the early Islamic period and beyond. Furthermore, it evaluates how core principles—such as the sanctity of treaties, peaceful coexistence, protection of human rights, and ethical conduct in conflict—have shaped Islamic international relations. The study also discusses the applicability of these principles in the modern world, particularly in the context of globalization, interfaith dialogue, conflict resolution, and international cooperation. It concludes that Islamic teachings offer valuable guidance for fostering equitable and sustainable international relations in today's complex global environment.

Keywords:
Islamic Principles, International Relations, Evolution, Contemporary Challenges, Qur'an and Sunnah, Peaceful Coexistence, Justice, Diplomacy, Human Rights, Global Cooperation

مقدمہ

اسلام نے بین الاقوامی تعلقات کا جو تصور پیش کیا، وہ محض سیاسی ضرورت سے نہیں ابھرا، بلکہ یہ ایک مکمل الٰہی نظام ہے جس کی بنیاد انسانیت کے احترام، عدل کے قیام، فطری مساوات، عالمی اخوت اور امنِ عالم پر رکھی گئی ہے۔ اسلامی بین الاقوامی تعلقات کا ارتقاء اس وقت شروع ہوا جب دنیا میں طاقت، قومیت، نسل اور طبقاتی برتری کے اصولوں پر مبنی بین الاقوامی روابط رائج تھے۔ اسلام نے آکر سب سے پہلے اخلاقی بین الاقوامی نظام کی بنیاد رکھی۔ قرآن مجید نے انسانی معاشرے کے بین الاقوامی ڈھانچے کی اصل روح کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا [1]

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قومیں اور قبیلے بنایا تاکہ تم آپس میں پہچان رکھو

یہ آیت قرآنِ مجید کی ایک نہایت اہم تعلیم بیان کرتی ہے اور انسان کے معاشرتی اور اخلاقی رویوں پر روشنی ڈالتی ہے۔ انسان کی اصل اور بنیاد ایک ہی جوڑے یعنی ایک مرد اور ایک عورت سے ہوئی ہے۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ تمام انسان بنیادی طور پر ایک ہی جنس انسانی سے تعلق رکھتے ہیں اور سب کے درمیان خون، نسب اور تخلیقی لحاظ سے یکساں حیثیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف قوموں اور قبائل میں بانٹ دیا تاکہ وہ ایک دوسرے کو پہچان سکیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ فرقہ بندی یا امتیاز برتری کے لیے ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ انسان ایک دوسرے کی شناخت، ثقافت، زبان، اور اقدار کو سمجھے اور ایک متنوع معاشرت میں تعلقات قائم کرے۔ یوں فرق صرف پہچان اور تعاون کا ذریعہ بنے، نہ کہ نفرت یا تعصب کی جڑ۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

Vol.4 No.1 2026

انسانیت کی اصل ایک ہے اور ہر فرد کی عزت و احترام بنیادی انسانی حق ہے۔ قومیت یا قبیلے کی بنیاد پر کسی کو کمتر یا برتر سمجھنا غلط ہے، بلکہ ان شناختوں کا مثبت استعمال معاشرتی ہم آہنگی، تعاون، اور بین الاقوامی تعلقات کے فروغ کے لیے ہونا چاہیے۔ اقوام اور قبائل کا وجود برتری، جنگ اور ٹکراؤ کے لیے نہیں بلکہ باہمی تعارف و تعاون کے لیے ہے۔ یہ وہ پہلا عالمی نظریہ تھا جس نے انسانوں کے درمیان نسلی و قومی تفریق کا خاتمہ کر کے ایک عالمگیر انسانی وحدت کی بنیاد قائم کی۔ مولانا مودودی اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"اسلام نے اقوام کے درمیان تعلقات کا محور نسلی یا لسانی برتری کے بجائے انسانیت کی مشترکہ بنیاد پر رکھا۔"[2]

اسلام نے بین الاقوامی تعلقات اور اقوام کے باہمی رابطے میں بنیاد کے طور پر کسی بھی قسم کی نسلی یا لسانی برتری کو نہیں اپنایا بلکہ انسانیت کے مشترکہ مفاد اور اخلاقی اصولوں کو اس کا محور بنایا۔ اسلامی تعلیمات میں فرقہ وارانہ، نسلی یا لسانی امتیاز کو کسی بھی طرح جائز نہیں سمجھا گیا بلکہ ہر انسان کو انسانیت کی بنیاد پر برابر اور عزت دار مانا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی قوم یا گروہ کی فوقیت یا کمزوری کا تعین اس کی زبان، نسل، رنگ یا جغرافیائی حدود سے نہیں ہوتا، بلکہ انسانی اقدار، عدل و انصاف، اخلاقیات اور باہمی احترام کے اصولوں کی بنیاد پر تعلقات کو فروغ دیا جاتا ہے۔ اسلام میں بین الاقوامی تعلقات کی یہ بنیاد نہ صرف عدل و انصاف کی ضمانت ہے بلکہ عالمی امن اور تعاون کے فروغ کے لیے بھی مؤثر ہے۔

مثال کے طور پر، اسلامی تاریخ میں مختلف مذاہب اور ثقافتوں کے ساتھ معاہدات اور تعلقات کو انسانیت کے مشترکہ مفاد کے تناظر میں ترتیب دیا گیا، چاہے وہ تجارتی معاہدے ہوں یا سیاسی و سفارتی تعلقات۔ اس نظریے کے تحت، ہر قوم کو عزت، سلامتی اور احترام کے حق کے ساتھ دیکھا جاتا ہے، اور اختلافات کو حل کرنے کے لیے تشدد یا امتیاز پر مبنی رویہ نہیں اپنایا جاتا۔ اس طرح، یہ اصول عالمی سطح پر بھائی چارے، تعاون اور مشترکہ انسانی ترقی کے لیے ایک مضبوط فکری اور اخلاقی بنیاد فراہم کرتا ہے، جو کہ آج کے بین الاقوامی تعلقات میں بھی نہایت اہم اور قابل عمل تصور کیا جا سکتا ہے۔

مکی دور: بین الاقوامی اصولوں کی بنیاد

مکی دور نبی کریم ﷺ کی زندگی کا وہ حصہ ہے جب آپ ﷺ مکہ میں رہتے ہوئے ابتدائی دعوت اسلامی کے مراحل سے گزرتے تھے۔ اس دور میں اسلام نے نہ صرف فرد کی روحانی اور اخلاقی تربیت پر زور دیا بلکہ معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی اصولوں کی بنیاد بھی رکھی، جو بعد میں بین الاقوامی تعلقات کے اصولوں کے لیے رہنمائی کا کام دیتے ہیں۔ مکی دور میں اسلامی تعلیمات کی اہم خصوصیات میں انصاف، مساوات، انسانی حقوق، اور اخلاقی بنیاد پر تعلقات قائم کرنا شامل ہیں، جو اقوام اور معاشروں کے درمیان تعلقات کے بنیادی اصول قرار دیے جا سکتے ہیں۔

حلف الفضول کا واقعہ اس بات کی واضح عکاسی کرتا ہے کہ مکہ کے لوگوں کے درمیان نبی کریم ﷺ انصاف کے قیام کے لیے فعال کردار ادا کرتے تھے۔ یہ حلف نہ صرف مقامی سطح پر مظلوم کی حمایت کا ذریعہ تھا بلکہ یہ اصولی سطح پر انسانی حقوق، باہمی تعاون اور عدل کے قیام کا ایک پہلا نمونہ بھی تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی میں ہمیشہ ایسے اقدامات کی حمایت کی جو انسانی عزت، حقوق اور امن کی بنیاد پر ہوں، اور یہ رویہ بعد میں اسلامی بین الاقوامی اصولوں کی تشکیل میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

مکی دور میں اسلام نے قومیت، نسل یا زبان کے فرق سے بالاتر ہو کر انسانیت کی مشترکہ بنیاد پر تعلقات قائم کرنے کا سبق دیا۔ ابتدائی دعوت میں نبی کریم ﷺ نے مختلف قبائل، مزدوروں، غلاموں اور کمزور افراد کے ساتھ برابری اور عدل کے اصول اپنائے۔ اسلام نے بین الاقوامی تعلقات کے اصولوں کی بنیاد انسانی اقدار، اخلاق اور انصاف پر رکھی، نہ کہ طاقت، دولت یا نسلی برتری پر۔ مکی دور کے تجربات اور اقدامات نے بعد کے اسلامی معاشرتی اور سیاسی نظام کی بنیاد رکھی، جہاں بین الاقوامی تعلقات میں عدل، احترام، اور انسانیت کے مشترکہ مفاد کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی۔ یہ دور نہ صرف مذہبی اور اخلاقی تربیت کا دور تھا بلکہ ایک عملی نمونہ بھی تھا کہ کس طرح ایک قوم یا معاشرہ عالمی تعلقات اور انسانیت کے مشترکہ اصولوں کی بنیاد پر رہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

اسلامی بین الاقوامی تعلقات کا پہلا مرحلہ مکی دور میں شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں مسلمانوں کو ظلم و ستم کا سامنا تھا، لیکن اس کے باوجود اسلام نے ظلم کا جواب ظلم سے دینے کے بجائے صبر، رواداری اور پرامن بقائے باہمی کا اصول اپنایا۔ رسول اللہ ﷺ نے "حلف الفضول" جیسے معاہدے کی حمایت کی، جو انسانیت کی خدمت اور اجتماعی مظلوموں کی مدد پر مبنی تھا۔ ابن ہشام لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میں جاہلیت کے اس معاہدے (حلف الفضول) میں شریک تھا۔ اگر آج بھی کوئی مجھے ایسے معاہدے کی طرف بلائے تو میں ضرور شریک ہوں۔"[3]

یہ معاہدہ آپ کی اعلیٰ اخلاقی اقدار اور انسانی انصاف کے لیے مستقل عزم کو ظاہر کرتا ہے۔ اس میں دو اہم نکات نمایاں ہیں: ایک تو یہ کہ آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں ایسے معاہدے یا اقدامات میں حصہ لیا جو ظلم کے خلاف اور انصاف کے لیے تھے، چاہے وہ موجودہ معاشرتی یا سیاسی نظام کے برخلاف ہوں، اور دوسرا یہ کہ آپ ﷺ کا یہ عزم مستقل اور غیر مشروط تھا، یعنی اگر آج بھی کوئی کسی نیکی، انصاف یا حق کی حمایت میں ایسا معاہدہ کرنے کی دعوت دے تو آپ ﷺ ضرور شریک ہوں گے۔ حلف الفضول ایک تاریخی واقعہ ہے جس میں مکہ کے کچھ افراد نے مل کر ایک اصول قائم کیا کہ مظلوم کے ساتھ ناانصافی نہیں کی جائے گی، اور کمزور کو حق دلانے میں مدد کی جائے گی۔

اس حلف میں شرکت اس بات کا ثبوت ہے کہ نبی کریم ﷺ صرف مذہبی عبادات یا ذاتی تقویٰ تک محدود نہیں تھے بلکہ سماجی انصاف، انسانی حقوق اور اخلاقی ذمہ داریوں کے لیے بھی فعال کردار ادا کرتے تھے۔ انصاف اور انسانی حقوق کے لیے کبھی دیر نہیں ہوتی، اور کسی بھی نیکی یا حق کی حمایت میں ہمیشہ شرکت کرنا ایک مسلمان کے لیے فرض اور فخر کا معاملہ ہے۔ یہ حدیث نہ صرف آپ ﷺ کی اخلاقی قیادت کو ظاہر کرتا ہے بلکہ یہ ہمیں یہ سبق بھی دیتا ہے کہ ظلم کے خلاف آواز اٹھانا اور مظلوم کی مدد کرنا ہر دور میں انسانی ذمہ داری ہے، چاہے یہ کام کتنا ہی مشکل یا ناپسندیدہ کیوں نہ ہو۔ یہ اعلان بین الاقوامی سطح پر انصاف کو بنیادی قدر کے طور پر پیش کرنے کا آغاز تھا۔

مدنی دور: پہلی کثیر الثقافتی ریاست اور بین الاقوامی معاہدات کا آغاز

مدنی دور نبی کریم ﷺ کی زندگی کا وہ مرحلہ ہے جب آپ ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں آئے اور ایک منظم معاشرتی، سیاسی اور مذہبی نظام قائم کیا۔ یہ دور اسلامی تاریخ میں ایک نئے باب کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ یہاں اسلام نے پہلی مرتبہ ایک کثیر الثقافتی اور کثیر المذہبی ریاست کی بنیاد رکھی، جس میں مختلف قبائل، مذاہب، اور نسلی گروہوں کے درمیان تعلقات کو عدل، مساوات اور اخلاقی اصولوں کی بنیاد پر منظم کیا گیا۔ مدنی دور میں نبی کریم ﷺ نے مدینہ کے تمام گروہوں کے لیے میثاق مدینہ تیار کیا، جو ایک تاریخی دستاویز ہے اور اسے بین الاقوامی معاہدات کی ابتدائی مثال کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ اس میثاق میں نہ صرف مسلمانوں بلکہ یہودی قبائل، دیگر غیر مسلم گروہوں، اور مدینہ کے تمام شہریوں کے حقوق اور فرائض کا تعین کیا گیا۔ اس معاہدے کے ذریعے یہ اصول قائم ہوئے کہ ہر گروہ اپنی مذہبی آزادی، سلامتی اور سماجی ذمہ داریوں کے تحت ایک دوسرے کے ساتھ امن و تعاون کے رشتے میں رہے گا۔ اس کا مقصد صرف داخلی نظم و ضبط قائم کرنا نہیں تھا بلکہ یہ بین الاقوامی تعلقات اور معاہداتی اخلاقیات کی بنیاد بھی تھا، کیونکہ یہ ایک ایسی ریاست کی تشکیل تھی جہاں مختلف ثقافتوں اور عقائد کے حامل افراد باہمی احترام اور تعاون کی بنیاد پر رہیں۔

مدنی دور میں نبی کریم ﷺ نے متعدد بین الاقوامی معاہدات اور امن کی قراردادیں مرتب کیں، جیسے جنگ کے اصول، معاہداتِ امن، اور تجارتی و سیاسی تعلقات کے اصول۔ ان اقدامات نے واضح کیا کہ اسلامی ریاست میں تعلقات کا محور نسلی یا مذہبی امتیاز نہیں بلکہ انصاف، اخلاقیات، اور انسانی حقوق ہیں۔ مدنی دور میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان جو باہمی تعلقات قائم کیے گئے، ان کی بنیاد احترام، تعاون، اور انسانی حقوق کی فراہمی پر تھی، جو آج کے بین الاقوامی تعلقات کے نظریات کی عکاسی کرتے ہیں۔

مدنی دور نے نہ صرف ایک منظم، کثیر الثقافتی ریاست کی بنیاد رکھی بلکہ بین الاقوامی معاہدات اور اخلاقیات کے اصول بھی وضع کیے، جو بعد کے اسلامی معاشرتی، سیاسی اور سفارتی نظام کے لیے رہنمائی کا کام دیتے ہیں۔ یہ دور ہمیں سکھاتا ہے کہ بین الاقوامی تعلقات میں انصاف، اخلاق، اور انسانی مفاد کو مرکزی حیثیت دینا کس قدر ضروری ہے، چاہے لوگ مختلف ثقافتوں، مذاہب، یا قبائل سے تعلق رکھتے ہوں۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد اسلامی بین الاقوامی تعلقات ایک عملی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

"میثاقِ مدینہ" دنیا کی پہلی تحریری سماجی وسیاسی دستاویز ہے جس میں مختلف مذاہب، قومیتوں اور قبائل کو ایک ریاستی معاہدے کے تحت منظم کیا گیا۔ شبلی نعمانی اس دستاویز کو انسانی تاریخ میں انقلابی مقام دیتے ہیں:

"میثاقِ مدینہ نے مختلف گروہوں کو ایک سیاسی وحدت میں جمع کر کے بین الاقوامی تعلقات کا منصفانہ ماڈل پیش کیا۔"[4]

میثاقِ مدینہ نہ صرف ایک داخلی معاہدہ تھا بلکہ ایک ایسا عملی نمونہ بھی تھا جو بین الاقوامی تعلقات کے لیے عدل اور مساوات پر مبنی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ میثاق کے ذریعے مختلف قبائل، مذاہب اور سماجی گروہوں کو ایک مشترکہ سیاسی اور سماجی فریم ورک میں شامل کیا گیا، جس میں ہر گروہ کو اپنے حقوق اور فرائض کے مطابق محفوظ مقام دیا گیا۔ اس کا مقصد صرف مسلمانوں یا کسی خاص گروہ کو فوقیت دینا نہیں تھا بلکہ ہر شہری کو انصاف، تحفظ، اور مساوی قانونی حیثیت فراہم کرنا تھا، تاکہ سماج میں امن اور تعاون قائم رہے۔ میثاقِ مدینہ نے یہ واضح کیا کہ قومی، نسلی یا مذہبی اختلافات بین الاقوامی تعلقات میں رکاوٹ نہیں بلکہ باہمی احترام اور انصاف کے اصول پر مبنی ایک مضبوط سیاسی اتحاد کی بنیاد ہو سکتے ہیں۔ اس معاہدے نے واضح اصول مرتب کیے کہ ہر گروہ اپنی خود مختاری اور مذہبی آزادی کے ساتھ رہ سکتا ہے، مگر اجتماعی فیصلوں، سلامتی اور سماجی ذمہ داریوں میں وہ تمام گروہ شریک ہوں گے۔ اس سے نہ صرف داخلی نظم وضبط قائم ہوا بلکہ مختلف گروہوں کے درمیان اعتماد اور تعاون بھی پیدا ہوا، جو آج کے بین الاقوامی معاہدات اور عالمی سیاست کے اصولوں کی عکاسی کرتا ہے۔

بین الاقوامی تعلقات میں عدل، مساوات، اور انسانی مفاد کو بنیاد بنانا ضروری ہے، اور میثاقِ مدینہ اس کا ایک مثالی ماڈل پیش کرتا ہے جس کی روشنی میں آج بھی مختلف ثقافتوں، مذاہب اور قوموں کے درمیان تعلقات کو منظم کیا جا سکتا ہے۔ میثاقِ مدینہ نے مذہبی آزادی، اجتماعی سلامتی، باہمی دفاع، معاہداتی تحفظ اور عدل وانصاف کی فراہمی کے اصول پیش کیے۔ یہ وہی اصول ہیں جنہیں آج جدید "International Humanitarian Law" کی بنیاد کہا جاتا ہے۔

سفارتی خطوط کا اجرا: اسلامی بین الاقوامی تعلقات کا عالمی آغاز

سفارتی خطوط کا اجرا نبی کریم ﷺ کی قیادت میں اسلامی ریاست کے بین الاقوامی تعلقات کے پہلوی اقدامات میں سے ایک اہم مرحلہ تھا، جسے عالمی سطح پر اسلامی سفارتکاری کی بنیاد کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ مدنی دور میں نبی ﷺ نے نہ صرف مدینہ میں داخلی نظم وانصاف قائم کیا بلکہ بیرونی دنیا کے ساتھ تعلقات اور معاہدات کے لیے بھی عملی اقدامات کیے۔ یہ اقدام اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام نے بین الاقوامی تعلقات کو صرف نظریاتی سطح تک محدود نہیں رکھا بلکہ عملی، اخلاقی اور قانونی اصولوں پر مبنی ایک مربوط نظام قائم کیا۔ نبی کریم ﷺ نے مختلف حکمرانوں اور قبائل کو خط لکھ کر دعوتِ اسلام دی، امن اور تعاون کے اصول بیان کیے، اور بعض معاملات میں تجارتی وسیاسی تعلقات قائم کرنے کے لیے خطوط کے ذریعے رابطہ کیا۔

یہ خطوط نہ صرف دعوتِ اسلامی کے پیغام کو پہنچانے کا ذریعہ تھے بلکہ ایک بین الاقوامی معاہداتی اصول بھی پیش کرتے تھے، جس میں احترام، عدل، دیانتداری اور انسانی مفاد کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ ان خطوط کے ذریعے نبی ﷺ نے یہ پیغام دیا کہ تعلقات کا محور طاقت یا جارحیت نہیں بلکہ اخلاقی اصول، باہمی احترام اور انسانی اقدار ہیں۔ یہ سفارتی خطوط عالمی سطح پر اسلامی ریاست کے اصولوں کی پہچان بنے۔ مثال کے طور پر، رومی، ایرانی اور دیگر علاقائی حکمرانوں کو بھی خطوط لکھے گئے تاکہ امن، تجارتی تعلقات، اور مشترکہ مفاد کی بنیاد پر تعلقات قائم کیے جائیں۔ اسلام میں سفارتکاری صرف رسمی یا سیاسی کارروائی نہیں بلکہ اخلاق، عدل اور انسانی مفاد کی ترجمانی بھی تھی۔

نبی ﷺ کے سفارتی خطوط نے نہ صرف اسلامی بین الاقوامی تعلقات کی بنیاد رکھی بلکہ ایک عالمی ماڈل بھی پیش کیا، جو آج کے بین الاقوامی تعلقات میں اخلاقیات، انصاف اور باہمی احترام کے اصولوں کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ یہ ثابت کرتا ہے کہ اسلام میں تعلقات کی بنیاد نسلی، مذہبی یا سیاسی برتری نہیں بلکہ انسانی حقوق، اخلاقی ذمہ داری اور مشترکہ فلاح ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی ریاست مستحکم ہونے کے بعد دنیا کی بڑی طاقتوں کو خطوط ارسال کیے۔ یہ خطوط اسلامی سفارت کاری کے باقاعدہ آغاز کی علامت ہیں۔ قیصرِ روم، کسریٰ ایران، مقوقس مصر، نجاشی حبشہ اور عرب سرداروں کو بھیجے گئے خطوط میں نہ صرف دعوتِ اسلام بلکہ عالمی امن، انصاف اور امن پسند تعلقات کی پیشکش تھی۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے مطابق:

"رسول اللہ ﷺ نے دنیا کے مختلف خطوں کو خطوط بھیج کر بین الاقوامی تعلقات کو ایک نئی سمت دی اور سفیروں کے آداب وضوابط مرتب کیے۔"[5]

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

حضرت محمد ﷺ نے نہ صرف ایک روحانی اور اخلاقی رہنما کے طور پر بلکہ ایک عالمی رہنما اور ماہر سفارتکار کے طور پر بھی اپنا کردار ادا کیا۔ آپ ﷺ نے دنیا کے مختلف خطوں اور ممالک کو خطوط بھیج کر عالمی سطح پر اسلامی ریاست کے موقف اور اصولوں کو واضح کیا۔ یہ خطوط محض پیغامات نہیں تھے، بلکہ وہ بین الاقوامی تعلقات کی بنیاد رکھنے والے دستاویزات تھے جن میں عدل، دیانتداری، اور مشترکہ انسانی مفاد کی اہمیت پر زور دیا گیا۔ ان خطوط کے ذریعے آپ ﷺ نے نہ صرف اپنی حکومت کے نظریات اور اصولوں کو دوسروں تک پہنچایا بلکہ دشمنوں، دوستوں اور نیوٹرل حکومتوں کے ساتھ تعلقات کو ایک منظم اور مہذب انداز میں استوار کیا۔

آپ ﷺ نے سفیروں کے لیے آداب وضوابط مرتب کیے، یعنی سفارتکاری کو ایک مرتبہ اور اخلاقی فریم ورک میں بند کیا، جس میں احترام، ایمانداری، اور دیانتداری کو بنیادی اصول قرار دیا گیا۔ یہ ایک ایسا نظام تھا جو آج کے بین الاقوامی تعلقات کے بنیادی اصولوں سے میل کھاتا ہے، جیسے کہ معاہدوں کی پاسداری، سفارتکاروں کے حقوق اور بین الاقوامی اخلاقیات۔ اسلام نے ابتدائی دور سے ہی بین الاقوامی تعلقات کو منصفانہ، اصول پر مبنی اور اخلاقی بنیادوں پر استوار کرنے کی اہمیت کو سمجھا اور عملی طور پر نافذ کیا۔ حضرت ﷺ کی یہ مثال آج کے سفارتی تعلقات اور عالمی سیاست میں بھی رہنمائی فراہم کرتی ہے، کیونکہ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ کسی بھی قوم یا ریاست کے تعلقات کا معیار عدل، اخلاق اور شفافیت ہونا چاہیے۔

معاہدات کا احترام: اسلامی بین الاقوامی تعلقات کی بنیاد

اسلام میں بین الاقوامی تعلقات کا جو فلسفہ پیش کیا گیا، وہ بنیادی طور پر عدل، دیانت داری اور معاہدوں کی پاسداری پر مبنی ہے۔ اسلامی تعلیمات میں یہ اصول واضح کیا گیا کہ کسی بھی ریاست یا حکومت کے درمیان جو بھی معاہدہ یا وعدہ ہو، اسے وقت اور حالات کی پرواہ کیے بغیر پورا کرنا لازمی ہے۔ اس کی ایک واضح مثال میثاقِ مدینہ ہے، جس میں مختلف قبائل، مذہبی اور سماجی گروہوں کو ایک سیاسی اور سماجی اتحاد میں جمع کیا گیا، اور ہر فریق کے حقوق و فرائض کو معاہدے کی صورت میں تحریری طور پر مرتب کیا گیا۔ اسلامی تاریخ میں یہ بھی دیکھا گیا کہ حضرت محمد ﷺ نے مختلف ریاستوں اور حکمرانوں کو خطوط کے ذریعے دعوت اور معاہدے بھیجے، جن میں نہ صرف اسلامی اصولوں کو واضح کیا گیا بلکہ ان سے توقع کی گئی کہ وہ معاہدوں کی پاسداری کریں گے۔ معاہدات کا احترام نہ صرف اخلاقی ذمہ داری تھا بلکہ اس سے بین الاقوامی تعلقات میں اعتماد، استحکام اور دیرپا امن قائم ہوا۔

اسلام میں کسی بھی معاہدے کی خلاف ورزی نہ صرف سیاسی نقصان کا باعث بنتی ہے بلکہ یہ اخلاقی اور دینی نقطۂ نظر سے بھی ممنوع ہے، کیونکہ یہ عدل اور دیانتداری کے بنیادی اصول کے خلاف ہے۔ اس بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی بین الاقوامی تعلقات میں معاہدات کا احترام صرف ایک تکنیکی یا قانونی ضرورت نہیں بلکہ ایک اخلاقی اور دینی اصول ہے، جو عالمی سطح پر تعلقات کو منصفانہ، شفاف اور پائیدار بنانے میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی اسلامی فکر میں معاہدات کی پاسداری کو عالمی سیاست اور سفارتکاری میں ایک مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اسلامی بین الاقوامی تعلقات کے ارتقاء میں "صلح حدیبیہ" کو فیصلہ کن اہمیت حاصل ہے۔ اس معاہدے نے ثابت کیا کہ اسلام جنگ کے بجائے امن اور سفارتی مفاہمت کو ترجیح دیتا ہے۔ قرآن نے معاہدات کی پابندی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ [6]

ترجمہ: اپنے فرمان (عہد) پورے کرو۔

انسان یا ریاست جو وعدہ کرے، چاہے وہ کسی فرد، گروہ یا قوم کے ساتھ ہو، اسے ہر حال میں پورا کرنا لازمی ہے۔ وعدہ خلافی یا معاہدہ توڑنا نہ صرف اخلاقی کمزوری کی نشانی ہے بلکہ یہ عدل اور دیانت داری کے بنیادی اصول کے بھی خلاف ہے۔ اسلامی تاریخ میں اس کی عملی مثالیں بہت واضح ہیں۔ میثاقِ مدینہ میں تمام قبائل اور گروہوں نے اپنے حقوق و فرائض کے حوالے سے معاہدے کیے، اور حضرت محمد ﷺ نے ان معاہدات کی پاسداری کو لازمی قرار دیا۔ اسی طرح حضرت ﷺ نے دشمن، دوست اور نیوٹرل ریاستوں کے ساتھ جو بھی خطوط اور وعدے کیے، ان کی پابندی کی ضرورت کو اجاگر کیا۔ یہ اصول صرف ذاتی زندگی تک محدود نہیں، بلکہ ریاستی اور بین الاقوامی سطح پر بھی اس کی اہمیت ہے۔ معاہدات کی پاسداری سے اعتماد قائم ہوتا ہے، تعلقات میں شفافیت آتی ہے اور دیرپا امن ممکن ہوتا ہے۔ اگر ایک قوم یا ریاست اپنے فرمان کی پابندی کرے تو دوسرے ممالک کے لیے اس پر اعتماد قائم ہوتا ہے، اور اس کے سفارتی تعلقات مضبوط اور مستحکم رہتے ہیں۔ اس لیے "اپنے فرمان

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

پورے کرو" نہ صرف اخلاقی اور دینی ضرورت ہے بلکہ یہ بین الاقوامی تعلقات میں بھی ایک لازمی اصول ہے، جو عالمی سطح پر عدل، دیانت داری اور اعتماد کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ امام طبری بیان کرتے ہیں:

"صلح حدیبیہ نے بین الاقوامی تعلقات میں اخلاقی برتری کا معیار قائم کیا۔"[7]

صلح حدیبیہ نہ صرف ایک سیاسی معاہدہ تھا بلکہ بین الاقوامی تعلقات میں اخلاقیات اور اصولوں کی اہمیت کا مظہر بھی تھا۔ اس معاہدے کے ذریعے حضرت محمد ﷺ نے یہ ثابت کیا کہ طاقت یا عسکری برتری کے بغیر بھی ایک قوم عالمی سطح پر اپنی اخلاقی اور سیاسی حیثیت کو مضبوط کر سکتی ہے۔ حدیبیہ کا معاہدہ اس لحاظ سے تاریخی اہمیت رکھتا ہے کہ اس میں مکہ کے قریش کے ساتھ ایک اصولی اور منصفانہ سمجھوتہ کیا گیا، جس نے دونوں فریقوں کو محفوظ اور مستحکم تعلقات فراہم کیے۔ یہ معاہدہ اس بات کی مثال ہے کہ بین الاقوامی تعلقات میں اخلاقی برتری حاصل کرنے کے لیے عدل، دیانت داری اور وعدوں کی پاسداری لازمی ہے۔ حضرت ﷺ نے اس معاہدے میں اپنی قوم کے مفاد اور سلامتی کے ساتھ ساتھ دشمن کے حقوق اور عزت کا بھی خیال رکھا، جس سے یہ واضح ہوا کہ اخلاقیات اور اصول بین الاقوامی تعلقات میں حقیقی طاقت کا ذریعہ ہیں۔ صلح حدیبیہ کے بعد، مسلمانوں اور قریش کے درمیان تعلقات میں اعتماد اور شفافیت پیدا ہوئی، اور اسلامی ریاست کو عالمی سطح پر سیاسی اور اخلاقی شناخت حاصل ہوئی۔ اخلاقی اصولوں پر مبنی تعلقات، طاقت یا دباؤ کے بغیر بھی بین الاقوامی سطح پر کامیابی اور استحکام فراہم کر سکتے ہیں۔ آج کے عالمی سیاست میں بھی یہ سبق قابلِ تقلید ہے، کیونکہ ایک قوم یا ریاست کی ساکھ اور اثر و رسوخ صرف فوجی طاقت سے نہیں بلکہ عدل، دیانتداری اور اخلاقی عزم سے بھی قائم ہوتی ہے۔

جنگ و امن کے اخلاقی اصول: جدید بین الاقوامی قانون کی بنیاد

جنگ و امن کے اخلاقی اصول دراصل انسانی معاشرے میں امن قائم رکھنے اور تنازعات کو محدود کرنے کے لیے وضع کیے گئے بنیادی اصول ہیں، جو جدید بین الاقوامی قانون کی بنیاد سمجھے جاتے ہیں۔ یہ اصول اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ جنگ کا استعمال ہمیشہ جائز نہیں بلکہ اس کے لیے واضح اخلاقی اور قانونی شرائط موجود ہونی چاہئیں، جیسے کہ دفاعِ وطن، مظلوم کی حمایت، اور انسانی جان و مال کے تحفظ کی ذمہ داری۔ اسلامی تعلیمات، جیسے کہ قرآن و سنت، میں بھی جنگ کے حدود و قیود بیان کیے گئے ہیں، جن میں غیر جنگجو افراد کو نقصان نہ پہنچانے، قبروں اور عبادت گاہوں کی حرمت، اور امن کے لیے مذاکرات کا حق شامل ہے۔ جدید بین الاقوامی قانون میں یہ اصول جینوا کنونشن، اقوام متحدہ کے چارٹر اور دیگر بین الاقوامی معاہدات میں نظر آتے ہیں، جو ریاستوں اور بین الاقوامی اداروں کو تنازعات کے حل میں اخلاقی اور قانونی رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ اس کا مقصد محض جنگ کی اجازت دینا نہیں بلکہ انسانی حقوق، انسانی وقار، اور عالمی امن کو برقرار رکھنا ہے۔

جنگ و امن کے اخلاقی اصول نہ صرف نظریاتی بنیاد فراہم کرتے ہیں بلکہ عملی سطح پر بین الاقوامی تعلقات، مذاکرات اور معاہدات کے لیے بھی لازمی رہنما خطوط مہیا کرتے ہیں، جس سے عالمی برادری میں عدل و انصاف کے فروغ کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔ اسلام نے جنگ کو رد نہیں کیا، لیکن اسے سخت اخلاقی اصولوں کا پابند بنا دیا۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ کھیتوں اور عبادت گاہوں کو نہ جلایا جائے۔ قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جائے۔ جنگ کی دعوت نہیں دی جائے، بلکہ دفاعی صورت میں اقدام کیا جائے۔ حضرت ابو بکرؓ کے لشکر کو دیے گئے دس اصول آج بھی دنیا کے اخلاقی جنگی قوانین کی بنیاد سمجھے جاتے ہیں۔ وہاب الزمانی لکھتے ہیں:

"اسلام نے جنگ کو تباہی کے بجائے ایک منظم اخلاقی ضابطے میں تبدیل کیا۔"[8]

اسلام نے جنگ کو صرف ایک طاقت یا تشدد کا مظہر نہیں بنایا بلکہ اسے ایک منظم اور اخلاقی ضابطے کے تحت لانے کی کوشش کی۔ تاریخی اور فقہی تعلیمات کے مطابق، اسلام میں جنگ کو صرف دفاعی، جائز اور ضروری حالات میں اجازت دی گئی، اور اس کے ساتھ سخت اصول و ضوابط مقرر کیے گئے تاکہ انسانی جان، مال، عزت اور ماحول کی حفاظت ممکن ہو۔ قرآن اور سنت میں جنگ کے بارے میں واضح رہنمائی موجود ہے: معصوموں، خواتین، بچوں، بزرگوں، اور حتیٰ کہ جنگل کے جانوروں اور فصلوں کو نقصان پہنچانے سے منع کیا گیا، اور ظلم، زیادتی یا انتقام کی اجازت نہیں دی گئی۔ اسلام نے جنگ کو تباہی کے بجائے ایک اخلاقی فریم ورک میں ڈھالا تاکہ معاشرتی استحکام برقرار رہے اور طاقت کا استعمال صرف جائز حد تک ہو۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

جنگ کے دوران معاہدات، امن مذاکرات، اور قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کو لازمی قرار دیا گیا، جو آج کے بین الاقوامی قوانین جنگ اور انسانی حقوق کے اصولوں سے بہت مشابہت رکھتے ہیں۔ اسلام میں طاقت صرف انتظام اور تحفظ کے لیے ہے، نہ کہ انتقام یا جارحیت کے لیے، اور جنگ کو انسانی اخلاقیات، انصاف اور امن کی راہ میں محدود کیا گیا۔ یہ اصول نہ صرف اسلامی تاریخ میں بلکہ موجودہ عالمی سیاست اور بین الاقوامی تعلقات میں بھی قابل تقلید ہے، کیونکہ یہ واضح کرتا ہے کہ اخلاق اور قانون کے دائرے میں رہ کر طاقت کا استعمال دنیا میں امن اور استحکام کے قیام کا ذریعہ بن سکتا ہے۔[9] جنگ و امن کے اخلاقی اصول درج ذیل ہیں:[10]

1۔ جنگ صرف جائز وجوہات کے لیے کی جائے، جیسے دفاعِ وطن یا مظلوم کی حمایت۔

2۔ صرف جائز حکام یا ریاستیں ہی جنگ کا اعلان کر سکتی ہیں۔

3۔ جنگ کے مقصد میں انصاف اور امن قائم کرنا ہونا چاہیے، نہ کہ لالچ یا انتقام۔

4۔ جنگ میں نقصان کا تناسب ایسے اقدامات سے ہو جو مقاصد کے مطابق ہوں اور غیر ضروری تباہی سے بچا جائے۔

5۔ ہتھیار اور طریقہ کار اخلاقی اور انسانی قوانین کے دائرے میں ہوں، جیسے کیمیائی یا حیاتیاتی ہتھیاروں کا استعمال ممنوع۔

6۔ عام شہری، خواتین، بچے، بوڑھے، اور قیدیوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔

7۔ ایسے ہتھیار استعمال کیے جائیں جو انسانی جان و مال کو غیر ضروری طور پر نقصان نہ پہنچائیں۔

8۔ جنگ کے دوران متاثرین کو انسانی امداد پہنچانے کی اجازت ہونی چاہیے۔

9۔ قیدیوں کو انسانی طریقے سے رکھا جائے اور ان کے ساتھ ظلم نہ کیا جائے۔

10۔ مذہبی، ثقافتی یا تاریخی مقامات کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔

11۔ امن کے لیے کیے گئے معاہدات اور صلح ناموں کا مکمل احترام کیا جائے۔

12۔ جنگ سے پہلے یا دوران امن کے مواقع تلاش کیے جائیں اور ثالثی کو ترجیح دی جائے۔

13۔ نسل کشی، غصب یا دیگر بڑے انسانی جرائم سے بچاؤ یقینی بنایا جائے۔

14۔ حملہ صرف دفاعی مقصد کے لیے ہو، جارحیت کی صورت میں عالمی قوانین کی خلاف ورزی ہو گی۔

15۔ جنگ کا دائرہ اور مدت محدود ہوں تاکہ معاشرتی اور انسانی نقصان کم سے کم ہو۔

16۔ جنگ میں شامل فیصلے انصاف اور اخلاقیات کے مطابق ہوں۔

17۔ پانی، بجلی، اسپتال اور دیگر بنیادی ضروریات کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔

18۔ جنگ کے دوران قدرتی وسائل اور ماحول کو غیر ضروری نقصان سے بچایا جائے۔

19۔ جنگ کے عمل پر بین الاقوامی قوانین اور اداروں کی نگرانی ممکن ہو۔

20۔ ہر حالت میں امن قائم کرنے کی کوشش کی جائے، اور جنگ کو آخری حل سمجھا جائے۔

خلافتِ راشدہ: عملی بین الاقوامی نظام کا قیام

خلافتِ راشدہ اسلامی تاریخ کا وہ دور ہے جس میں دینِ اسلام کی اصولی تعلیمات کو نہ صرف داخلی نظم و نسق میں نافذ کیا گیا بلکہ ایک منظم اور عملی بین الاقوامی نظام بھی قائم کیا گیا۔ اس دور میں خلفائے راشدین نے عدل و انصاف، شفافیت، اور اخلاقی بنیادوں پر حکومت کی، اور ساتھ ہی بیرونی ریاستوں، قبائل، اور غیر مسلم معاشروں کے ساتھ تعلقات کے اصول وضع کیے۔ اس کی بنیاد میں قرآن و سنت کے مطابق عدل، امینت، اور معاہدات کی پاسداری شامل تھی، جو آج کے جدید بین الاقوامی قوانین کے بنیادی اصولوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ خلافتِ راشدہ نے اس بات کا عملی ثبوت دیا کہ ریاستی اور بین الاقوامی تعلقات کو صرف طاقت یا جارحیت کی بنیاد پر نہیں، بلکہ اخلاق، انصاف، اور انسانی وقار کی بنیاد پر بھی منظم کیا جا سکتا ہے۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

Vol.4 No.1 2026

سب سے اہم مثال میثاقِ مدینہ ہے، جو اس دور کے عملی بین الاقوامی نظام کا بنیادی ستون تھا۔ یہ ایک دستاویز تھی جس نے مختلف قبائل، مذاہب، اور معاشرتی گروہوں کو ایک سیاسی اور سماجی نظام میں متحد کیا۔ میثاقِ مدینہ میں نہ صرف مسلمانوں کے حقوق و ذمہ داریاں بیان کی گئیں بلکہ غیر مسلم قبائل کو بھی سیاسی و سماجی حقوق فراہم کیے گئے، جس سے ایک متوازن اور اخلاقی بین الاقوامی تعلقات کا ماڈل سامنے آیا۔ اس میثاق کے ذریعے خلفائے راشدین نے یہ واضح کیا کہ عالمی تعلقات میں معاہدات کی پاسداری، احترامِ انسانی حقوق، اور انصاف پسندی بنیادی اصول ہیں۔

خلفائے راشدین کی سفارتی حکمت عملی بھی اس نظام کا اہم جزو تھی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے نہ صرف مسلمانانِ عالم کے درمیان اتحاد قائم رکھا بلکہ غیر مسلم ریاستوں اور قبائل کے ساتھ بھی دوستانہ اور متوازن تعلقات کو فروغ دیا۔ ان کے دور میں خط و کتابت، سفارتی خطوط، اور معاہدات کے ذریعے تعلقات قائم کیے گئے، جو آج کے جدید بین الاقوامی سفارتی نظام کی عکاسی کرتے ہیں۔ سفیروں کے تقرر، امن و صلح کی پیشکش، اور تجارتی تعلقات کو منظم کرنا خلافتِ راشدہ کے بین الاقوامی نظام کے عملی پہلو تھے، جو ایک مستحکم عالمی روابط کا ماڈل فراہم کرتے ہیں۔

اس دور کی سب سے اہم خصوصیت عدل و انصاف پر مبنی بین الاقوامی تعلقات تھے۔ خلفائے راشدین نے جنگ و امن کے اصول واضح کیے اور ہر فیصلہ اخلاقی اور قانونی بنیاد پر کیا۔ مثلاً صلح حدیبیہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس نے عالمی سطح پر اخلاقی برتری کے معیار قائم کیے۔ اس صلح کے ذریعے مسلمانوں نے ثابت کیا کہ طاقت کے استعمال سے زیادہ اہم معاہدات کی پاسداری، مذاکرات، اور انسانی حقوق کا احترام ہے۔ جنگ کے دوران غیر جنگجو افراد کو نقصان نہ پہنچانے، مذہبی اور ثقافتی مقامات کی حفاظت، اور قیدیوں کے انسانی حقوق کا خیال رکھنے کے اصول خلافتِ راشدہ کی بین الاقوامی پالیسی کا حصہ تھے، جو آج کے جینوا کنونشنز اور بین الاقوامی قوانین میں شامل ہیں۔

خلافتِ راشدہ میں اقتصادی اور تجارتی تعلقات بھی بین الاقوامی نظام کا حصہ تھے۔ مسلمانوں نے بیرونی ریاستوں کے ساتھ تجارتی معاہدات کیے، سفارت کاروں کے ذریعے تجارتی راستوں کی حفاظت کی، اور تجارتی حقوق کی ضمانت دی۔ یہ عملی اقدامات ظاہر کرتے ہیں کہ خلافتِ راشدہ میں نہ صرف سیاسی اور عسکری تعلقات کو منظم کیا گیا بلکہ اقتصادی اور سماجی تعلقات کے لیے بھی ایک منظم بین الاقوامی ڈھانچہ موجود تھا۔

خلافتِ راشدہ کا نظام یہ بھی واضح کرتا ہے کہ بین الاقوامی تعلقات میں انسانی وقار اور اخلاقی اصول بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ ہر فیصلہ، چاہے وہ جنگ کے حوالے سے ہو یا امن کے، اخلاق، شفافیت، اور انصاف کے دائرے میں ہونا چاہیے۔ اس نظام کی ایک اور اہم پہلو مساوات اور حقوق کی فراہمی ہے۔ مختلف مذاہب اور ثقافتی گروہوں کو ایک سیاسی نظام میں مساوی حیثیت دینا اور ان کے حقوق کی ضمانت دینا خلافتِ راشدہ کی عملی حکمت عملی کا حصہ تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بین الاقوامی تعلقات کا ایک مستحکم اور کامیاب نظام صرف طاقت یا جارحیت کی بنیاد پر نہیں بنایا جا سکتا، بلکہ اس میں اخلاق، انصاف، اور انسانی حقوق کی پاسداری لازمی ہے۔

خلافتِ راشدہ نے عملی بین الاقوامی نظام قائم کرنے میں ایک مثالی کردار ادا کیا۔ یہ نظام نہ صرف داخلی نظم و نسق میں کارآمد تھا بلکہ بین الاقوامی تعلقات، سفارت کاری، تجارتی معاہدات، اور جنگ و امن کے قوانین کے لیے بھی ایک عملی ماڈل فراہم کرتا ہے۔ اس دور کی پالیسیوں اور اصولوں نے آج کے بین الاقوامی قوانین، اقوام متحدہ کے چارٹر، اور جینوا کنونشنز کے لیے ایک اخلاقی اور عملی بنیاد فراہم کی۔ خلافتِ راشدہ کی یہ کامیابی اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ انسانی معاشرے میں بین الاقوامی تعلقات کو منظم اور اخلاقی بنیادوں پر قائم کرنا ممکن ہے، بشرطیکہ قیادت عدل، انصاف، اور انسانی وقار کو مقدم رکھے۔

خلافتِ راشدہ نے اسلامی بین الاقوامی تعلقات کو عملی بنیاد فراہم کی۔ سیدنا ابو بکرؓ نے عرب قبائل کے ساتھ معاہداتی نظام کو برقرار رکھا۔ سیدنا عمرؓ نے مفتوحہ ریاستوں کے باشندوں کے ساتھ عدل، رواداری اور معاشی حقوق پر مبنی معاہدات کیے۔ سیدنا عثمانؓ و علیؓ نے سفارتی وفود، تجارتی روابط اور عالمی حکمتِ عملی کو منظم کیا۔ مولانا وہاب الزمانی کے مطابق:

"خلافتِ راشدہ نے دنیا کو بتایا کہ ریاستیں جنگ کے بغیر بھی عالمی سطح پر اخلاقی اثر و رسوخ قائم کر سکتی ہیں۔"[11]

خلافتِ راشدہ، جو اسلامی تاریخ میں پہلی منصفانہ اور اخلاقی بنیادوں پر قائم شدہ حکومت تھی، نے اپنے اصولوں، اخلاقی کردار، اور عدل و انصاف کے نفاذ کے ذریعے نہ صرف اپنے شہریوں کے درمیان اعتماد قائم کیا بلکہ دیگر ریاستوں اور قبائل کے درمیان بھی احترام اور اثر و رسوخ پیدا کیا۔ اس دور میں خلیفہ راشدین نے اپنی

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4 No.1 2026
ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

پالیسیوں اور فیصلوں میں بین الاقوامی قوانین، معاہدات، اور انسانی حقوق کے بنیادی اصولوں کا خیال رکھا، جس سے یہ پیغام گیا کہ اخلاق اور قانونی فریم ورک کی بنیاد پر بھی ریاستیں عالمی سطح پر اپنا اثر رکھ سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر، حضرت عمرؓ، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عثمانؓ کے دور میں دیگر قبائل اور ریاستوں کے ساتھ کیے گئے معاہدات، تجارتی تعلقات، اور عدالتی فیصلے اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ طاقت کا حقیقی اثر اس میں نہیں بلکہ عدل، شفافیت، اور انسانی وقار کے احترام میں ہے۔

بین الاقوامی تعلقات میں اخلاقی اقدار اور اصولوں کا کردار بنیادی ہے، اور ریاستیں جارحیت یا جنگ کے بغیر بھی مضبوط اور پائیدار عالمی اثر و رسوخ قائم کر سکتی ہیں۔ خلافتِ راشدہ کی مثال بتاتی ہے کہ انسانی تعلقات میں انصاف اور اخلاقیات کو بنیاد بنانے سے نہ صرف اندرونی استحکام حاصل ہوتا ہے بلکہ بیرونی دنیا میں بھی ریاست کی قدر اور اثر پذیری بڑھتی ہے۔ عالمی سیاست میں اخلاقی قیادت، عادلانہ پالیسیاں اور اصولوں پر مبنی حکومتیں، صرف عسکری طاقت یا دھونس کے بغیر بھی دنیا پر اثر ڈال سکتی ہیں اور ایک مثبت، پائیدار، اور باعزت تعلقات کا ماڈل قائم کر سکتی ہیں۔

فقہاء کا کردار: اسلامی قانونِ بین الاقوام کا علمی ارتقاء

اسلامی قانونِ بین الاقوام، جسے فقہ میں اکثر "فقہ المعاملات الدولیۃ" کے طور پر جانا جاتا ہے، اسلامی فقہاء کے علمی اور تحقیقی کردار کا نتیجہ ہے۔ ابتدائی اسلامی دور میں خلفائے راشدین نے ریاست اور بین الاقوامی تعلقات کے عملی اصول وضع کیے، لیکن فقہاء نے ان اصولوں کو نظریاتی اور عملی بنیاد پر مزید تفصیل سے استوار کیا۔ فقہاء کا یہ کردار نہ صرف اسلامی ریاستوں کے داخلی اور خارجی تعلقات کے لیے رہنمائی فراہم کرتا تھا بلکہ یہ جدید بین الاقوامی قانون کے ارتقاء میں بھی ایک علمی ماخذ کے طور پر کام کرتا ہے۔ فقہاء نے سب سے پہلے اصولِ جنگ و امن پر تفصیلی تحقیق کی۔ قرآن و سنت کی روشنی میں یہ اصول وضع کیے گئے کہ جنگ کا جواز صرف دفاع، مظلوم کی حمایت، یا عدل کے قیام کے لیے ہو سکتا ہے۔ فقہاء نے غیر جنگجو افراد کے تحفظ، عبادت گاہوں کی حرمت، معاہدات کی پاسداری، اور تجارتی راہداریوں کی حفاظت جیسے موضوعات پر مفصل قواعد مرتب کیے۔ ان کی تحقیق نے یہ واضح کیا کہ اسلامی قانونِ بین الاقوام صرف ریاستوں کی طاقت یا جارحیت پر مبنی نہیں بلکہ اخلاق، عدل، اور انسانی وقار پر بھی مبنی ہے۔

فقہاء نے معاہدات اور سفارتی تعلقات میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ اسلامی فقہ میں صلح، تجارتی معاہدات، اور مذاکرات کے اخلاقی اصول کو نہایت واضح انداز میں بیان کیا گیا۔ فقہاء نے حالاتِ حاضرہ کے مطابق اس میں اجتہاد کیا، تاکہ اسلامی ریاستیں نہ صرف داخلی طور پر مضبوط رہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی مستحکم تعلقات قائم رکھ سکیں۔ مثال کے طور پر، فقہاء نے صلح حدیبیہ جیسے تاریخی معاہدات کا علمی تجزیہ کیا، اور اس کے ذریعے بین الاقوامی معاہدات کی اخلاقی اور قانونی بنیادوں کو سمجھایا۔ علماءِ کرام نے تجارت اور اقتصادی تعلقات کے معاملات پر بھی اہم رہنمائی فراہم کی۔ بین الاقوامی تجارت، راہداریوں کی حفاظت، اور تجارتی معاہدات میں شفافیت و انصاف کے اصول فقہاء کی محققانہ رائے کے ذریعے واضح ہوئے۔ اس سے نہ صرف تجارتی استحکام ممکن ہوا بلکہ عالمی سطح پر اسلامی قانون کے اخلاقی و عملی دائرہ کار کو بھی مضبوطی حاصل ہوئی۔

فقہاء کے علمی ارتقاء کا ایک اور پہلو اجتہاد اور مکاتبِ فکر کی ترقی ہے۔ مختلف فقہی مکاتب نے اجتہاد کے ذریعے بین الاقوامی تعلقات کے مختلف مسائل پر اپنی رائے دی، جس سے اسلامی قانونِ بین الاقوام میں نظریاتی گہرائی اور عملی ہم آہنگی پیدا ہوئی۔ فقہاء نے جدید حالات، نئے سیاسی اور اقتصادی مسائل، اور غیر مسلم ریاستوں کے ساتھ تعلقات کے پیچیدہ امور پر بھی اپنے اجتہاد کا اطلاق کیا، جس سے اسلامی قانونِ بین الاقوام کا علمی ارتقاء ممکن ہوا۔ فقہاء نے انسانی حقوق اور اخلاقیات کو بین الاقوامی قانون میں شامل کرنے کی بنیاد رکھی۔ انسانی جان، آزادی، مذہبی اور ثقافتی حقوق، اور شہری زندگی کی حفاظت جیسے اصول فقہاء کے تحقیقی اور عملی کام سے واضح ہوئے۔ اس علمی جدوجہد نے یہ ثابت کیا کہ اسلامی قانونِ بین الاقوام صرف طاقت یا سیاسی مفاد کی بنیاد پر نہیں بلکہ عدل، انصاف، اور اخلاقیات کے اصول پر بھی قائم ہو سکتا ہے۔

فقہاء کے کام کی عالمی اہمیت بھی نمایاں ہے۔ جدید بین الاقوامی قانون میں، جیسے کہ جینوا کنونشن، اقوام متحدہ کا چارٹر، اور انسانی حقوق کے عالمی معاہدات میں، ان اصولوں کی عکاسی نظر آتی ہے جنہیں فقہاء نے صدیوں قبل وضع کیا۔ جنگ کے دوران غیر جنگجو افراد کی حفاظت، معاہدات کی پاسداری، انسانی قیدیوں کے حقوق، اور امن کی ترجیح جیسے اصول آج کے بین الاقوامی قوانین میں شامل ہیں، اور یہ اصول براہِ راست اسلامی فقہاء کی محققانہ کاوشوں سے ماخوذ ہیں۔ فقہاء نے اس بات

پر بھی زور دیا کہ بین الاقوامی تعلقات میں امن اور مذاکرات کو ہر حالت میں ترجیح دی جائے۔ جنگ صرف آخری حل ہو اور اس کے دوران بھی اخلاق اور قانون کی پاسداری لازمی ہو۔ یہ تصور آج کے جدید بین الاقوامی قوانین، جیسے اقوام متحدہ کے امن معاہدات، اور ثالثی کے عالمی اصولوں کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔

فقہاء کا کردار اسلامی قانونِ بین الاقوام کے علمی ارتقاء میں بنیادی اور لازمی رہا ہے۔ انہوں نے نہ صرف نظریاتی اصول وضع کیے بلکہ عملی رہنمائی بھی فراہم کی، جس سے ایک منظم، اخلاقی، اور عالمی سطح پر مستحکم بین الاقوامی نظام کی بنیاد پڑی۔ ان کی محققانہ جدوجہد نے یہ ثابت کیا کہ اسلامی قوانین کی بنیاد پر قائم اصول آج بھی عالمی قوانین کے لیے معتبر اور رہنما ہو سکتے ہیں۔ اس علمی ارتقاء نے یہ بھی واضح کیا کہ بین الاقوامی تعلقات میں عدل، انصاف، اخلاق، اور انسانی وقار کی پاسداری لازمی ہے، اور یہ اصول کسی بھی دور میں وقت کی ضرورت کے مطابق نافذ کیے جا سکتے ہیں۔ اسلامی بین الاقوامی تعلقات کے ارتقاء میں فقہاء کا کردار فیصلہ کن رہا۔ امام محمد الشیبانی کی "السیر الکبیر" اور "السیر الصغیر" جدید بین الاقوامی قانون کے اولین علمی نمونے ہیں۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں:

"شیبانی کی تصنیفات اسلامی دنیا میں بین الاقوامی قانون کی اولین باقاعدہ تدوین ہیں۔"[12]

شیبانی کی تصنیفات صرف فقہی مسائل یا ذاتی عبادات کی رہنمائی تک محدود نہیں تھیں، بلکہ انہوں نے اسلامی اصولوں کی روشنی میں بین الاقوامی تعلقات اور قوانین کی پہچان بھی کی۔ ان کی تحریروں میں ریاستوں کے درمیان معاہدات، جنگ و صلح کے قواعد، سفارتی تعلقات، اور غیر مسلم اقوام کے ساتھ تعلقات کو واضح اور منظم انداز میں بیان کیا گیا۔ اس اعتبار سے شیبانی کی تصنیفات ایک تاریخی سنگ میل ہیں، کیونکہ انہوں نے اسلامی دنیا میں قانونی اصولوں کو مرتب اور باقاعدہ شکل دی، جو نہ صرف مسلمانوں کے لیے رہنما بنیں بلکہ عالمی سطح پر بین الاقوامی قوانین کے اصولوں کے قریب تر بھی تھیں۔

شیبانی نے جنگ و امن کے اصول، معاہدات کی پابندی، اور اخلاقی ذمہ داریوں کی وضاحت کی، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی فکری روایت نے بین الاقوامی تعلقات میں اخلاقیات اور قانون کو یکجا کرنے کی کوشش کی۔ ریاستیں صرف طاقت یا دباؤ کے ذریعے نہیں بلکہ عدل، اخلاقیات، اور قانونی فریم ورک کے ذریعے عالمی سطح پر اپنا اثر قائم کر سکتی ہیں۔ اس طرح شیبانی کی تصنیفات نہ صرف اسلامی دنیا میں ایک قانونی بنیاد فراہم کرتی ہیں بلکہ عالمی سیاسی اور قانونی فکر کے ارتقا میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

اموی و عباسی دور: عالمی سفارت کاری اور تجارت کا فروغ

اموی اور عباسی دور میں اسلامی خلافت نے نہ صرف اپنی سرحدوں کو مستحکم کیا بلکہ عالمی سطح پر سفارت کاری اور تجارتی تعلقات کو بھی فروغ دیا۔ اس دور میں اسلامی حکومتوں نے مختلف ریاستوں، قبائل اور تجارتی مراکز کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے لیے سفارت کار اور نمائندے مقرر کیے، جو آج کے جدید سفارتی نظام کے پیش خیمہ تھے۔ سفارت کاری کے ذریعے امن و صلح کے معاہدات، تجارتی معاہدات، اور سیاسی مذاکرات انجام دیے گئے، جس سے اسلامی خلافت کو عالمی سطح پر ایک مستحکم اور معتبر حیثیت حاصل ہوئی۔

تجارت کے میدان میں اموی اور عباسی خلفائے نے مسافتی تجارتی راہداریوں کی حفاظت، تجارتی مراکز کا قیام، اور بین الاقوامی تجارت کے معاہدات کو فروغ دیا۔ بغداد، دمشق، کوفہ اور دیگر شہر نہ صرف سیاسی مراکز بلکہ تجارتی و ثقافتی مراکز بھی بن گئے، جہاں مشرق و مغرب، شمال و جنوب کے تاجروں اور سفارت کاروں کا باہمی تبادلہ ہوتا رہا۔ اس نے عالمی تجارت، ثقافتی تبادلہ، اور علم و فنون کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔

اموی اور عباسی دور کی سفارت کاری اور تجارتی پالیسیوں کا ایک اہم پہلو اخلاق اور عدل پر مبنی بین الاقوامی تعلقات تھا۔ معاہدات کی پاسداری، شہری اور تجارتی حقوق کی حفاظت، اور غیر مسلم ریاستوں کے ساتھ منصفانہ تعلقات نے خلافت کی عالمی ساکھ کو مضبوط کیا۔ یوں یہ دور نہ صرف اسلامی خلافت کے سیاسی اور اقتصادی استحکام کا دور تھا بلکہ ایک ایسا عملی بین الاقوامی نظام بھی فراہم کرتا ہے، جس میں سفارت کاری، تجارت، اور انسانی وقار کے اصول مؤثر انداز میں نافذ کیے گئے۔ ان ادوار میں چین، روم، ہندوستان اور یورپ سے تجارتی معاہدات، سفارتی وفود کا تبادلہ، موتی، ریشم، کاغذ، اور دھاتوں کی بین الاقوامی تجارت، غیر مسلم رعایا کے حقوق کا تحفظ اور "دارالاسلام" اور "دارالعہد" کے اصولوں کا فروغ دیا گیا۔ یہ ترقی اسلامی بین الاقوامی تعلقات کے ارتقاء کا اہم مرحلہ تھی۔

اندلس اور عثمانی خلافت: جدید سفارت کاری کی بنیاد

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

اندلس اور عثمانی خلافت نے اسلامی دنیا میں جدید سفارت کاری کے اصولوں کی بنیاد رکھی۔ اندلس میں مسلمانوں نے مختلف مذہبی اور نسلی گروہوں کے ساتھ تعلقات قائم رکھنے کے لیے مستقل سفارت کار اور نمائندے مقرر کیے، جو مقامی حکومتوں اور یورپی ریاستوں کے ساتھ رابطے میں رہتے تھے۔ یہاں کے حکمرانوں نے امن و صلح کے معاہدات، تجارتی تعلقات، اور سیاسی مذاکرات کو نظام کے تحت انجام دیا، جس سے ایک منظم بین الاقوامی سفارتی ڈھانچہ وجود میں آیا۔ عثمانی خلافت نے اس تصور کو مزید آگے بڑھایا اور ایک مستحکم اور وسیع بین الاقوامی سفارتی نظام قائم کیا۔ عثمانی حکمرانوں نے سفارت کاری کو ریاستی پالیسی کا لازمی حصہ بنایا، جہاں یورپی اور ایشیائی ممالک کے ساتھ مستقل سفارت خانے قائم کیے گئے، خطوط کے تبادلے، معاہدات، اور مذاکرات کے لیے تربیت یافتہ نمائندے تعینات کیے گئے۔ عثمانی دور میں سفارت کاری صرف سیاسی مفادات تک محدود نہیں تھی بلکہ تجارتی، ثقافتی، اور فوجی تعلقات کے انتظام کا بھی ذریعہ تھی۔

اندلس اور عثمانی تجربات نے یہ واضح کیا کہ بین الاقوامی تعلقات میں کامیابی کے لیے اخلاق، شفافیت، اور معاہدات کی پاسداری لازمی ہے۔ سفارت کاری کا یہ نظام طاقت یا جارحیت کی بنیاد پر نہیں بلکہ حکمت، علم، اور عملی اخلاقیات پر قائم تھا۔ اسی وجہ سے یہ تجربات جدید سفارت کاری کے اصولوں کے لیے عملی اور نظریاتی بنیاد فراہم کرتے ہیں، جو آج کے بین الاقوامی قوانین، سفارتی معاہدات، اور عالمی تعلقات کے نظام کی تشکیل میں بھی نظر آتے ہیں۔ اندلس کے یورپ کے ساتھ علمی و تہذیبی روابط، اسپین میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ بقائے باہمی، معاہداتی نظام اور تعلیمی تعاون، سفارتی خطوط اور تجارتی نیٹ ورک شامل ہے۔ عثمانی خلافت میں مستقل سفارتی مشنز کا قیام، یورپی عدالتوں میں نمائندگی، معاہداتِ امن، دفاعی معاہدات اور تجارتی سفارت اور جدید بین الاقوامی ڈپلومیسی کی عملی شکل ہے۔ ڈاکٹر اے۔ آر۔ رحمانی لکھتے ہیں:

"عثمانی سلطنت نے یورپی دنیا کے ساتھ ایسے معاہدات کیے جنہوں نے جدید ڈپلومیسی کی بنیاد رکھی۔"[13]

عثمانی سلطنت نے اپنی سفارتی حکمت عملی اور بین الاقوامی تعلقات کے ذریعے یورپی دنیا کے ساتھ ایسے معاہدات کیے جو جدید ڈپلومیسی کے اصولوں اور روایات کی بنیاد بن گئے۔ عثمانی دور میں، خاص طور پر سولہویں اور سترہویں صدی میں، سلطنت نے اپنی جغرافیائی وسعت اور مختلف مذاہب و ثقافتوں کی وجہ سے نہ صرف داخلی سیاست میں مہارت حاصل کی بلکہ بیرونی دنیا کے ساتھ تعلقات استوار کرنے میں بھی منفرد حکمت عملی اپنائی۔ ان معاہدات میں تجارتی معاہدے، امن و تجارت کے معاہدات، اور فوجی اتحاد شامل تھے، جن میں باہمی احترام، مفاہمت، اور باہمی فائدے کے اصول نمایاں تھے۔ یہ معاہدات یورپی طاقتوں کے ساتھ نہ صرف عثمانیوں کی حکمت عملی کی عکاسی کرتے ہیں بلکہ یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ سلطنت نے عالمی تعلقات میں ایک ایسا نظام قائم کیا جو رسمی مذاکرات، تحریری معاہدات، سفارتی مراسلات، اور تنازعات کے حل کے جدید طریقوں پر مبنی تھا۔

اس طرح عثمانی سلطنت نے نہ صرف اپنے سیاسی اور اقتصادی مفادات کی حفاظت کی بلکہ بین الاقوامی تعلقات میں قانونی اور اخلاقی اصولوں کی اہمیت کو بھی اجاگر کیا، جو بعد میں یورپی ریاستوں کے لیے جدید ڈپلومیسی کے نمونے کے طور پر کام آئے۔ عثمانی سلطنت کی سفارتی مہارت اور معاہداتی رویہ، محض سیاسی حکمت عملی نہیں بلکہ ایک جامع بین الاقوامی نظام کے قیام کی کوشش تھی، جس میں امن، تجارتی مفادات، اور طاقت کے توازن کو برقرار رکھا گیا۔ یہ معاہدات نہ صرف تاریخی اہمیت کے حامل ہیں بلکہ بین الاقوامی تعلقات کے جدید تصور کی بنیاد بھی فراہم کرتے ہیں، جس میں باہمی احترام، معاہداتی ذمہ داری، اور مفاہمت کے اصول لازمی ہیں۔ اسلام کا پیش کردہ بین الاقوامی نظام تین بنیادی ستونوں پر قائم ہے جن میں انسانیت کا احترام، عدل و انصاف کا قیام اور معاہدات کی پابندی شامل ہے۔ اسلامی تعلیمات کا ارتقاء یہ ثابت کرتا ہے کہ اسلام نے بین الاقوامی تعلقات کو اخلاقی، قانونی، سفارتی، انسانی اور عالمی بنیادوں پر استوار کیا۔

نتائج:(Findings)

اسلامی تعلیمات بین الاقوامی تعلقات کے لیے ایک جامع اور متوازن نظام فراہم کرتی ہیں جو عدل، امن اور باہمی احترام پر مبنی ہے۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 2026

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

قرآن وسنت کی روشنی میں معاہدات کی پابندی، رواداری اور پرامن بقائے باہمی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، جو عالمی امن کے قیام میں مؤثر کردار ادا کرتی ہے۔

ابتدائی اسلامی دور میں سفارتی، سیاسی اور معاشرتی تعلقات ایک منظم اصولی بنیاد پر قائم تھے، جو جدید بین الاقوامی اصولوں سے ہم آہنگ دکھائی دیتے ہیں۔

اسلامی اصول جنگ وامن دونوں حالتوں میں اخلاقی حدود وقیود متعین کرتے ہیں، جو انسانی حقوق کے تحفظ کو یقینی بناتے ہیں۔

موجودہ عالمی حالات میں اسلامی تعلیمات بین الاقوامی تنازعات کے حل، بین المذاہب ہم آہنگی اور عالمی تعاون کے لیے قابلِ عمل رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔

تجاویز:(Recommendations)

مسلم ممالک کو چاہیے کہ وہ اپنی خارجہ پالیسیوں میں اسلامی اصولِ عدل، دیانت اور امن کو بنیادی حیثیت دیں۔

بین الاقوامی سطح پر اسلامی تعلیمات کے مثبت اور معتدل تصور کو فروغ دینے کے لیے علمی و تحقیقی اداروں کو فعال کردار ادا کرنا چاہیے۔

بین المذاہب مکالمہ اور ثقافتی تبادلے کو فروغ دے کر عالمی سطح پر غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جائے۔

عالمی تنازعات کے حل کے لیے اسلامی اصولوں پر مبنی سفارتی حکمت عملی کو اپنایا جائے، خاص طور پر مذاکرات اور مصالحت پر زور دیا جائے۔

تعلیمی نصاب میں اسلامی بین الاقوامی تعلقات کے اصولوں کو شامل کیا جائے تاکہ نئی نسل کو ایک متوازن اور مثبت عالمی نقطۂ نظر فراہم کیا جا سکے۔

حوالہ جات

[1] القرآن:۴۹/۱۳

[2] سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن (لاہور، ترجمان القرآن، 1982ء)، ج6، ص241

[3] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ (قاہرہ، دارالمعارف، 1955ء)، ج1، ص134

[4] شبلی نعمانی، سیرۃ النبی (علی گڑھ، دارالمصنفین، 1918ء)، ج1، ص203

[5] ڈاکٹر حمید اللہ، خطوطِ نبوی (لاہور، مکتبہ جدید، 1984ء)، ص17

[6] القرآن:۵/۱

[7] طبری، تاریخ الطبری (قاہرہ، دارالفکر، 1968ء)، ج2، ص122

[8] وہاب الزمانی، اسلامی قانونِ اقوام (لاہور، مکتبہ رحمانیہ، 1988ء)، ص51

[9] حشمت علی صافی، حسین محمد، اسلامی تعلیمات جنگ و امن میں انسانی اقدار کا لحاظ و تحفظ: ایک تحقیقی مطالعہ (بنوں یونیورسٹی ریسرچ جرنل ان اسلامک اسٹڈیز، ۲۰۱۷)، ۳۲-۴۵

[10] حافظ محمد احمد قادری، اسلام میں جنگ کے اصول واخلاقیات: سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں (لاہور، العرفان منہاج یونیورسٹی، ۲۰۲۵)، ۳۰-۴۷

[11] وہاب الزمانی، اسلامی قانونِ اقوام، ص67

[12] ڈاکٹر محمود احمد غازی، محاضراتِ قانونِ بین الاقوامی (اسلام آباد، دارالکتب، 2005ء)، ص29

[13] اے۔ آر۔ رحمانی، اسلامی ریاست اور سفارت کاری (دہلی، ندوۃ العلما، 1995ء)، ص88